حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدمات اسلام

شاہدہ الیاس

شیخ قطب الدین احمد المعروف بہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۴ شوال، ۲۱ فروری بروز بدھ (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) ۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء بن شیخ عبدالرحیم بن شیخ وجیہہ الدین، حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء - ۱۶۲۴ء) کے انتقال کے تقریباً اسی (۸۰) سال بعد سیاست و تاریخ، علم و ادب اور تہذیب و تمدن کے گہوارہ شہر دہلی میں پیدا ہوئے۔ [۱] آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ آپ نے اپنی غیر معمولی ذہانت کی بناء پر پندرہ سال کی عمر میں مروجہ علوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ آپ نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم کی صحبت سے باطنی علوم میں بھی کمال حاصل کیا اور دیگر علوم مثلاً اصول فقہ، علم فقہ، منطق، علم الکلام، علم حدیث، تفسیر، حساب اور فلسفہ میں دسترس حاصل کی۔ [۲] چودہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ پندرھویں سال میں آپ نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے دو سال بعد والد کا انتقال ہو گیا اور سترہ سال کی عمر میں آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کے فرائض سنبھال لیے۔ [۳] شاہ ولی اللہ تقریباً بارہ سال تک مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس پر رونق افروز رہ کر دینی اور عقلی علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے علاوہ روایت حدیث کی سند بھی حاصل کی اور طریقت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ۱۱۴۵ھ میں وطن واپس آئے۔ [۴]

شاہ صاحب اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ء) میں مجاورت مکہ معظمہ و زیارت مدینہ منورہ، شیخ ابو طاہر اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوۃ کے روضہ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے۔ علماء حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں۔ ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں عازم وطن ہوا اور اسی سال رجب

المرجب میں صحیح وسالم وطن (ہندوستان) پہنچ گیا۔ [5]

شاہ ولی اللہ نے شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ہندوستان کے مسلمانوں کو جن حالات میں دیکھا وہ سخت مایوس کن تھے۔ مشرق کی جانب سے ایک غیر ملکی سفید فام قوم آندھی کی طرح چھا جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ جنوب میں مرہٹے مسلمانوں کو ختم کر دینے کے لیے اپنی طاقت مجتمع کر رہے تھے اور مغرب کی سمت پنجاب کے علاقوں میں سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت خطرے کا سگنل بن گئی تھی۔ لیکن مسلمانان ہند کی بدبختی اور بے حسی کا یہ عالم تھا کہ انہیں انگریزوں، سکھوں اور مرہٹوں کے تیزی سے بڑھنے والے خطرات کا احساس ہی نہ تھا۔ یہ اسی بے حسی کا ہی نتیجہ تھا کہ اورنگ زیب کی موت (۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء) کے بعد حکمران مغل خاندن کے شہزادوں نے تخت وتاج کے حصول کے لیے آپس میں الجھنا شروع کر دیا۔ تخت نشینی کی اس جنگ میں دو شہزادے کام بخش اور محمد اعظم ہزاروں کی تعداد میں ان فوجی سپاہیوں سمیت آپس میں لڑتے مارے گئے جو دشمن کے خلاف ایک مؤثر ڈھال بن سکتے تھے۔ [6] مسلمانوں کی کمزور پڑنے والی فوجی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھوں نے اپنی عسکری برتری کو اسطرح منوایا کہ انبالہ کے قریب بندہ بیراگی کی سرکردگی میں مغل فوجدار کو شکست دے کر قتل کر دیا اور پنجاب میں باری دوآب اور رچنا دوآب کے علاقوں میں مسلمان آبادیوں کو تہ تیغ کر کے تباہ وبرباد کر دیا۔ [7] یہ ان دنوں کے واقعات ہیں جب شاہ صاحب کی عمر تقریباً سات (۷) سال تھی۔ اور عالمگیر کا بیٹا محمد معظم المعروف بہ شاہ عالم اول بہادر شاہ (۱۷۰۷ء۔۱۷۲۱ء) حکمران تھا۔ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء۔۱۷۱۳ء) تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص استحکام حکومت کی طرف کیا توجہ دیتا۔ اس کی آنکھیں تو فاحشہ عورتوں کی صحبت میں نشہ ولذت زنا وشراب ہی سے نہ کھل پاتی تھیں۔ اس کے بھتیجے فرخ سیر (۱۷۱۳ء۔۱۷۱۹ء) نے اسے دو شیعہ امیروں حسین علی خان اور حسن علی خان (جو سید برادران یا سادات باریہ کے لقب سے تاریخ میں مشہور ہیں) کی مدد سے قتل کر کے حکومت پر خود قبضہ کر لیا۔ [8] آخر فرخ سیر اور

سید بھائیوں میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی۔فرخ سیر کو معزول اور قید کیا حتیٰ کہ جان سے مار ڈالا۔فرخ سیر کا قتل ۱۱۳۱ھ بمطابق ۱۷۱۹ء کا واقعہ ہے۔اس وقت شاہ صاحب کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔ [9]

فرخ سیر کے بعد سید برادران نے ایک مغل شہزادے رفیع الدرجات (۱۷۱۹ء تا ۱۷۱۹ء) جو فرخ سیر کا بھتیجا تھا ۱۷۱۹ء میں تخت پر بٹھایا۔لیکن صرف تین ماہ بعد اسے بھی معزول کر دیا۔اس کی جگہ جون ۱۷۱۹ء میں رفیع الدولہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۱۹ء) کو شاہ جہاں ثانی کے لقب سے تخت نشین کرایا۔جو تین ماہ کٹھ پتلی حکمران رہ کر اپنی طویل قدیمی علالت کی وجہ سے چل بسا۔پھر سید بھائیوں نے ستمبر ۱۷۱۹ء میں شہزادہ روشن اختر کو تخت پر بٹھایا (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) جو تاریخ میں محمد شاہ رنگیلا کے نام سے مشہور ہوا۔محمد شاہ کے عہد کے ابتدائی دنوں ہی میں ایرانی اور تورانی امراء کی کشمکش شدت اختیار کر گئی۔حسین علی خان تورانی امیر گورنر دکن آصف جاہ کی قوت توڑنے کے لیے محمد شاہ کے ساتھ فوج لے کر دکن کی طرف بڑھا۔مگر راستے میں ہی آصف جاہ کے چچازاد بھائی محمد امین خان کے اشارے سے میر حیدر کاشغری نے چپکے سے حسین علی خان کا کام تمام کر دیا۔ [10] ایک بھائی کے خاتمے کے بعد دوسرے بھائی حسن علی خان پر قابو پانا مشکل نہ رہا جو محمد شاہ کے ہاتھوں قید ہوا اور آخر اسی حالت میں راہیِ ملک عدم ہوا۔محمد شاہ ہی کے زمانے میں ۱۱۴۳ھ میں شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز اختیار کیا۔

امن و امان کے نقطۂ نظر سے ہندوستان کی حالت جتنی ان دنوں خراب تھی۔اس کے پیش نظر یقیناً اتنے طویل سفر کے لیے نکلنا ہمت و جوانمردی کا کام تھا۔بحر عرب، بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل پرتگیزی، ولندیزی قزاقوں اور فرانسیسی و انگریزی تاجروں کی من مانی کاروائیوں کی جولان گاہ بنے ہوئے تھے۔اعلانیہ حاجیوں کے جہاز لوٹے جاتے تھے۔یوں بھی شمالی ہند سے جنوبی ہند کے علاقوں کو طے کر کے سورت کی بندرگاہ تک پہنچنا آسان نہ تھا۔خشکی میں ہر جگہ خصوصاً صوبہ جات متوسط اور مالوہ گجرات جو بندرگاہ کے راستے پر واقع تھے، مرہٹوں کی شورشوں کی

خصوصی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ تاہم شاہ صاحب راستے کی ان تمام دشواریوں کے باوجود عزم حجاز کو پورا کر کے رہے۔ بہر حال ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی ومعاشی اور معاشرتی و مذہبی مستقبل سے بڑی حد تک مایوس ہونے کے باوجود شاہ صاحب نے مستقل طور پر حجاز میں رہنے کی بجائے خطرات ومصائب میں اپنے ہندی بھائیوں کے ساتھ جینے مرنے کو ترجیح دی اور تقریباً دو سال دہلی سے باہر رہنے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ سفر حج سے واپس آ کر تجدید و احیائے دین کے کام کو شروع کیے۔ شاہ صاحب کو چند سال ہی ہوئے تھے کہ نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹ء) نے ہندوستان کو عموماً اور دار الحکومت دہلی کو خصوصاً میں زیر وزبر کر کے رکھ دیا۔ اس حملے نے حکومت ہند کی کمر اس بری طرح توڑی کہ مغل بادشاہ اپنی وسیع وعریض سلطنت میں اپنی عسکری قوت کی کمزوری وشکستگی کے سبب بے اختیار و کمزور ہو کر رہ گیا۔ مرہٹوں نے مالوہ، گجرات اور بندھیل کھنڈ کے علاقے اپنے مسلسل حملوں سے روند ڈالے۔ بنگال، بہار، اوراڑیسہ کے علاقوں کو اس بری طرح سے تباہ و برباد کیا کہ مغل سلطنت کے یہ صوبے ایک لحاظ سے مرہٹوں ہی کے باجگذار بن کر رہ گئے۔ [11] محمد شاہ ان مرہٹوں کا زور کیا توڑتا اس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے ان غارت گیر لٹیروں کے سردار بالا جی باجی راؤ کو مالوہ کا گورنر تسلیم کر لیا۔ [12]

ان سیاسی حالات نے مسلمانوں کے عقائد واخلاق کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ مسلم معاشرے کی مستحکم نظریاتی بنیادیں بھی متزلزل ہو گئی تھیں۔ مسلمان اسلامی شعائر سے منحرف ہو رہے تھے۔ وہ مذہب واخلاق سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ ان کی سیاسی، معاشی، دینی، تعلیمی اور اخلاقی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ امراء عیش پرست تھے۔ لوگوں میں اندھی تقلید کا مادہ بڑھ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ مسلمانوں کی سیاسی وفوجی شکست وریخت اور اخلاقی و مذہبی تنزل کے یہ تمام مناظر مشاہدہ کر رہے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مغل بادشاہ اور اس کے امراء اور دیگر ارباب حکومت ان شکستوں سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے نشہ عیش وعشرت میں مدہوش ہیں لیکن قدرت نے ان کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ وہ انہیں

سمجھائیں اور راستہ دکھائیں جس پر چل کر وہ اپنی قومی زندگی کا تحفظ کر سکیں۔

شاہ صاحب نے مسلمانوں کے عقائد، علوم، اخلاق، تمدن اور سیاست غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں غیر اسلامی آمیزشوں اور ملاوٹوں کا سراغ لگایا اور پھر ان خرابیوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کونسی بنیادی خرابیاں ہیں جن کے وجود میں آنے سے باقی تمام خرابیوں نے جنم لیا۔ آخر کار دو چیزوں کی خصوصاً نشاندہی کی ہے کہ (۱) ایک نظام حکمرانی کا خلفائے راشدین کے اسلامی طریقے سے ہٹ کر بادشاہت والے راستے پر چل پڑنا۔ (۲) دوسرا روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفا، حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات، مسوی، مصفیٰ اور اپنی دیگر تمام تصانیف میں اس پر شدید اظہار افسوس کیا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے مقاصد عظمی کے حصول کے لیے کوئی ایسی عملی تحریک تو شروع نہیں کی جس کے ذریعے وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی نظام کو بادشاہت سے خلافت کے صحیح اسلامی سیاسی نظام کی طرف موڑ دیتے کیونکہ اس کے لیے زمین ہموار نہ تھی۔ مسلمانوں کی بے حسی اور بے حمیتی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ پہلے ایک طویل عرصے تک تعلیم و تربیت کے حلقوں کے ذریعے دلوں کا میل اور دماغوں کا زنگ اتارا جائے۔ اور جب لوگ تحریک اسلامی کا مدعا مقصد اور طریق کار سمجھنے کے قابل ہو جائیں تو عملی کام کا آغاز کیا جائے۔

شاہ صاحب نے تلقین و تبلیغ تحریر و تقریر، درس و تدریس اور تنقید کے ذریعے اپنے اپنے حصے کے عظیم الشان بنیادی کام کا آغاز کر دیا اور اپنے پیچھے ایسا لٹریچر چھوڑ گئے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات و نظریات، مواد تحقیق اور نتائج کسی چیز پر بھی ماحول کا اثر دکھائی نہیں دیتا۔ بقول قاضی جاوید:

ایک طرف ان کے (شاہ ولی اللہ) زمانے اور ماحول کو دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ

> دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر اور شاہ عالم کو کون نہیں جانتا۔ اس تاریک زمانے میں نشو ونما پا کر ایسا آزاد خیال مفکر ومبصر منظر عام پر آتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات، نظریات، مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ کسی چیز پر بھی ماحول کا اثر دکھائی نہیں دیتا۔ حتی کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہو گا کہ یہ چیزیں اسی جگہ لکھی گئی تھیں۔ جس کے گردو پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل وغارت، جبر وظلم اور بدامنی وطوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔ [۱۳]

مولانا شبلی نعمانیؒ رقم طراز ہیں کہ:

> ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود ان کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا۔ اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر کوئی صاحب دل ودماغ پیدا ہوگا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ آخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا۔ شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا۔ جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ [۱۴]

شاہ ولی اللہؒ نے باطل خیالات کے جنگل کو صاف کر کے شاہراہ اسلام کی صفائی وہمواری کا جو کام شروع کیا تھا وہ اتنا عظیم الشان تھا کہ انہیں اس سے آگے قدم بڑھانے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ انہوں نے علوم اسلامیہ کے مختلف موضوعات پر بیسیوں بلند پایہ کتابوں کی تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے مختلف طبقوں کے لوگوں کو جادۂ حق پر ڈالنے کے لیے ان سے گفتگو کی، خطوط لکھے، خطاب کیے، مسلم حکمرانوں، گورنروں، حاکموں، حکومت کے افسروں، فوجی سپاہیوں، اہل صنعت وحرفت، اولاد مشائخ یعنی پیرزادوں، غلط کار عالموں، طالب علموں، نام نہاد زاہدوں اور واعظوں، اور مسلمان عوام سے ان کے خطابات یادگار اور تاریخی ہیں۔ [۱۵] شاہ صاحب کی کوشش تھی کہ ایک طرف مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ پھر سے ایک مضبوط سلطنت قائم کر دیں اور دوسری طرف وہ اپنی اخلاقی خرابیوں کو دور کر کے اور ان غیر اسلامی طریقوں اور رسم ورواج کو چھوڑ کر جو مسلمانوں میں عام ہوتے جا رہے تھے۔ دور اول کے مسلمانوں جیسی زندگی اختیار کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے مضبوط بنانے کے لیے بادشاہوں اور

امراء سے خط و کتابت کی۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے اپنا مشہور حملہ جس میں اس نے پانی پت کی جنگ (۱۴، جنوری ۱۷۶۱ء) میں مرہٹوں کو شکست دی تھی، شاہ ولی اللہ کے ایک خط پر ہی کیا تھا۔ [۱۶]

شاہ صاحب مادی دنیا کے قدر دان ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی، مذہبی اور تاریخی امور کی اہمیت سے بھی آگاہ تھے۔ ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں کہ:

> رسول اکرمؐ کا کام جاری رکھنے والوں کے دو راستے ہیں۔ خلافت ظاہری اور خلافت باطنی دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفید اور ضروری ہیں۔ [۱۷]

شاہ صاحب نے اپنے آپ کو باطنی خلافت کی تکمیل کے لیے وقف کر دیا اور ظاہری خلافت کے لیے جو لوگ موزوں تھے ان کی ہمت افزائی کی۔ حرمین شریفین سے واپسی پر ہر ایک فن کے لیے قابل اشخاص کی تربیت کی پھر ان فنون کی تعلیم ان کے سپرد کر دی اور خود درس حدیث دینے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے صرف ۲۸ سالہ تصنیفی دور میں علوم و معارف کا وہ انمول گنجینہ تیار فرما دیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عرصۂ دراز تک علماء کی ایک جماعت کو علوم کا سرمایہ مدون کرنا پڑے تب بھی وہ اپنا کام انجام نہیں دے سکتی جتنا کہ محض ایک فرد وواحد کی نوک قلم نے انجام دیا۔ اس کو صرف فضل الٰہی ہی کہا جا سکتا ہے۔

> ذالك فضل الله يو تيه من يشآ الله ذو الفضل العظيم [۱۸]

''حیات ولی'' کے مصنف مولانا رحیم بخش دہلویؒ نے شاہ ولی اللہؒ کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسائل کی تعداد اکاون بتائی ہے۔ [۱۹] ابوالحسن علی ندوی کے نزدیک شاہ ولی اللہ کی تصنیف و تالیف تقریباً اسی (۸۰) کے قریب ہیں۔ [۲۰]

شاہ ولی اللہ کی چند کتب و رسائل کا مختصر تعارف

۱۔ الارشاد الی مھمات علم الاسناد (عربی) اس رسالے میں اپنے اساتذہ و شیوخ حجاز کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ الأربعین (عربی) چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ۔

۳۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی)

۴۔ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) نعتیہ مجموعہ

۵۔ الطاف القدس (فارسی) لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی مسائل کی توضیح پر مبنی ہے۔

۶۔ الامداد فی مآثر الاجداد (فارسی) اس میں شاہ صاحب نے اپنے چند اجداد کا حال اور اپنا سلسلہ نسب درج کیا ہے۔

۷۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی)

۸۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (عربی)

۹۔ انفاس العارفین (فارسی) یہ کتاب درج ذیل سات رسالوں کے مجموعے کا نام ہے،

(۱) بوارق الولایہ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) الامداد فی مآثر الاجداد (۴) النبذہ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (۵) العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیہ (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف

۱۰۔ البدور البازغہ (عربی) یہ کتاب فلسفۂ دینی کے بیان پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ بوارق الولایۃ (فارسی) اپنے والد کے اقوال و احوال اور واقعات و تصرفات کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ تاویل الاحادیث (عربی) انبیاء علیہم السلام کے ان قصص کا ذکر ہے جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔ اصول شرعیہ کا بیان ہے۔

۱۳۔ تحفۃ الموحدین، عقیدہ توحید کی تشریح پر فارسی کا مختصر رسالہ۔ اس کے بعض مضامین کی بناء پر بعض اہل نظر اس کو شاہ صاحب کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۴۔ تراجم ابواب البخاری (عربی)

۱۵۔ التفہیمات الالٰہیہ (عربی و فارسی) اس میں شاہ صاحب کے واردات قلبی اور وجدانی مضامین الگ الگ ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے۔ جو کتاب کا موثر و اہم ترین حصہ ہے۔ (دو جلدیں)

۱۶۔ الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات اور یادداشت کا بیان ہے۔

۱۷۔ حجتہ اللہ البالغہ (عربی) تصوف پر شاہ صاحب کی مشہور ترین کتاب ہے۔

۱۸۔ حسن العقیدۃ (عربی) اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جامع طریق پر بیان کیا ہے۔

۱۹۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ کتاب فلسفۂ دینی، طبعیات، تصوف، کلمہ الاشراق، سب کا مجموعہ ہے۔ وحدۃ الوجود کی فلسفیانہ انداز میں گفتگو معرفت ذات اسماء الٰہی کی حقیقت، حقیقت وحی، کلام الٰہی کی تشریح ہے۔

۲۰۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی) حضورؐ کے مبشرات کا مجموعہ جو شاہ صاحب کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہے۔

۲۱۔ دیوان اشعار

۲۲۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصول تعلیم و اساتذہ کے لیے قیمتی ہدایات پر مشتمل مفید رسالہ ہے۔

۲۳۔ زہراوین، سورہ بقرہ و سورہ آل عمران کی تفسیر۔

۲۴۔ سطعات (فارسی) فلسفۂ الٰہیہ، جس میں فلسفیانہ اور تصوفانہ اصطلاح اور فلسفہ وحدۃ الوجو کی تعبیرات استعمال کی گئی ہیں۔

۲۵۔ سرور المحزون (فارسی) ابن سید الناس کی سیرت پر مشہور کتاب '' نور العیون فی سیر الامین المامون'' کا خلاصہ ہے۔ اپنے نامور معاصر اور سلسلہ مجددیہ کے شیخ کبیر حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی فرمائش پر تصنیف کی ہے۔

۲۶۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی)

۲۷۔ شفاء القلوب (فارسی) حقائق و معارف سے متعلق رسالہ۔

۲۸۔ شوارق المعرفۃ (فارسی) شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضاء کے حالات پر مشتمل ہے۔

۲۹۔ العطیہ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (فارسی) اس رسالے میں شیخ محمد پھلتی " کے حالات ہیں جو آپ کے جد مادری تھے۔

۳۰۔ عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید (عربی)

۳۱۔ فتح الرحمٰن (فارسی) قرآن پاک کا فارسی ترجمہ۔

۳۲۔ فتح الخبیر (عربی) قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تشریح پر مشتمل ہے۔

۳۳۔ فتح الورود لمعرفۃ الجنود (عربی) اخلاق و تصوف سے متعلق ہے۔

۳۴۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی) فن حدیث سے متعلق رسالہ۔

۳۵۔ الفوز الکبیر (عربی)

۳۶۔ فیوض الحرمین، یہ کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے دوران مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائل تصوف سے متعلق ہے، خواص کے مطالعہ کی کتاب ہے۔

۳۷۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت میں لکھی ہے۔

۳۸۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) بیعت، آداب واقسام شرائط مرشد ومرید، طریقہ تربیت وتعلیم، سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال ومراقبات اور طریقۂ مجددیہ کا ذکر شامل ہے۔

۳۹۔ کشف الغین عن شرح الرباعتیین (فارسی) حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی خواجہ صاحب کے قلم سے شرح ہے۔

۴۰۔ لمعات (فارسی) علم تصوف سے متعلق ہے۔

۴۱۔ المقالۃ الوضیۃ فی النصیحہ والوصیہ (عربی)

۴۲۔ المقمدۃ السینۃ فی الانتصار للفرقۃ السنۃ، حضرت مجدد صاحبؒ کے رسالہ رد روافض کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے، شاہ صاحب نے یہ ترجمہ اپنے استاد شیخ ابوطاہر مدنی کی خواہش پر ۱۱۴۴ھ قیام حجاز کے دوران کیا۔

۴۳۔ المقدمۃ فی قوانین الترجمہ (فارسی)

۴۴۔ مصفٰی (فارسی) موطا امام مالکؒ کی فارسی شرح۔

۴۵۔ المسوی من أحادیث الموطا (عربی) موطا کی شرح۔

۴۶۔ المکتوب المدنی (عربی) ایک اہم مکتوب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تقابل میں شیخ اسماعیل بن عبداللہ رومی کے نام لکھا گیا۔

۴۷۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاریؒ وفضیلت ابن تیمیہؒ (فارسی)

۴۸۔ النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (فارسی) شاہ عبدالرحیم کے ننھیالی جد اعلیٰ شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے اسلاف واخلاف کے حالات پر مشتمل ہے۔

۴۹۔ النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر (عربی)

۵۰۔ ھمعات (ھمعات) (فارسی) تحفۂ محمدیہ، دربیان نسبت الی اللہ۔

۵۱۔ ھوامع شرح حزب البحر (فارسی) [۲۱]

شاہ صاحب کی ان تمام کتب کے اردو اور دیگر زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ تا کہ ہر خاص و عام استفادہ کر سکے۔

شاہ ولی اللہ کے کارناموں کا جائزہ

شاہ صاحب نے مسلمانوں کے عقائد، علوم، اخلاق، تمدن اور سیاست غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں غیر اسلامی آمیزشوں اور ملاوٹوں کا کھوج لگایا اور پھر خرابیوں کے اس مجموعہ کا جائزہ لینے کے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کونسی ایسی بنیادی خرابیاں ہیں جن کے وجود میں آنے سے باقی تمام خرابیوں نے جنم لیا۔ آخر کار دو چیزوں کی نشاندہی کی ہے کہ ایک نظام حکمرانی کا خلفائے راشدین کے اسلامی طریقے سے ہٹ کر بادشاہت والے راستے پر چل پڑنا اور دوسرا روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ کے مطالعے کے بعد اور ان کی سیاسی و سماجی، تمدنی و معاشرتی اور اخلاقی خامیوں کی نشاندہی کے بعد شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے حالات کا بھی جائزہ لیا ہے اور مختلف طبقات کے لوگوں میں سے ایک ایک کو نام بنام پکار کر نقائص سے اگاہ کیا ہے۔[۲۲]

پھر اس کے بعد اپنے دور کی خرابیوں کا مجموعی جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے کہ:

> میں ایسے زمانے میں پیدا ہوا ہوں جب لوگوں میں تین چیزیں غلط سلط ہو گئی ہیں:
>
> ا۔ دلیل بازی، یہ بات یونانی علوم کے مسلمانوں کے علوم میں اختلاط کی بدولت پیدا ہوئی، لوگ کلامی (فلسفیانہ) بحثوں میں مشغول ہو گئے ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ ان امور پر بھی کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو فلسفیانہ دلیل بازی اور مناظرہ سے خالی ہو۔۔۔
>
> ۲۔ وجدان پرستی، یہ بات صوفیوں کی مقبولیت اور ان کی پیروی اور حلقۂ بگوشی کی وجہ سے ہے اور یہ وہ چیز ہے جس میں مشرق سے مغرب تک کے تقریباً تمام مسلمان گھرے ہوئے ہیں۔ یہ صوفیہ پرستی اور وجدان پرستی اتنی

عالب آ چکی ہے کہ ان حضرات (صوفی و پیر وغیرہ) کے اقوال و حالات لوگوں کو قرآن و سنت سے زیادہ یاد ہیں۔۔۔

۳۔ اطاعت، اور یہ اس بناء پر ہے کہ لوگ ملت اسلامیہ میں داخل نہیں۔ پھر اس زمانے کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے نہ متشابہات پر جا کر رکتا ہے نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اس کے علم سے بالاتر ہو۔۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنبلی شافعی وغیرہ کے سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے طریقے پر تعصب برتتا ہے اور دوسروں کے طریقہ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ گیا ہے۔ [۲۳]

اشاعت و تفہیم قرآن

شاہ صاحب کا اولین و عظیم کارنامہ قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ ہے۔ جو انہوں نے ''فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے ۳۸۔۱۹۳۷ء میں کیا ہے۔ [۲۴] برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس سے قبل قرآن کریم کا کسی بھی دوسری زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا تھا۔ ترجمے کا شائع ہونا تھا کہ ایک تہلکہ مچ گیا۔ آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ [۲۵] لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ ارشاد خداوندی ہے:

افلا یتدبرون القرآن امر علی قلوب اقفالھا۔ [۲۶]

ترجمہ: کیا پس غور و فکر نہیں کرتے قرآن میں یا کہ تمہارے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ قرآن پاک میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ [۲۷]

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن کو غور و فکر کرنے والوں کے لیے، پس ہے کوئی تم میں سے غور و فکر کرنے والا۔

شاہ صاحب کے ترجمے نے اردو اور دیگر زبانوں میں تراجم کی راہیں کھول دیں۔ ترجمے کے علاوہ شاہ صاحب نے اصول تفسیر میں ''الفوز الکبیر'' جیسی عدیم النظیر کتاب تالیف فرمائی۔ اگر چہ بظاہر یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن فہم قرآن کے سلسلے میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس رسالہ میں علوم قرآنی، ناسخ ومنسوخ، شان نزول اور دیگر آسمانی کتب کی تعریف کے متعلق ایسی بحثیں ہیں کہ جن کی نظیر متقدمین ومتاخرین کسی کی تصنیف میں نہیں ملتیں۔ [۲۸]

اشاعت حدیث

تفہیم قرآن کی راہیں کھولنے کے ساتھ ساتھ آپ نے تفہیم حدیث پر بھی توجہ فرمائی۔ حدیث میں شاہ صاحب کی کئی کتب ہیں۔ امام مالکؒ کے مرتب کردہ اور جملہ مجموعہ ہائے احادیث میں قدیم ترین مجموعہ حدیث موطا کو آپ بہت پسند کرتے تھے۔ آپ نے نے موطا کی شرح فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھی۔ عربی شرح کا نام المسوی اور فارسی کا نام المصفی ہے۔ آپ نے احادیث کی کئی مختصر کتابیں بھی مرتب فرمائیں ہیں۔ ایک کتاب چہل حدیث ہے۔ ایک کا نام النوادر من الحدیث ہے۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی کریم نامی مجموعہ حدیث میں ایسی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں جو خواب میں انہیں سنائیں گئیں۔ [۲۹]

تاریخ تدوین فقہ وحدیث

شاہ صاحب نے علم فقہ کو صحیح علمی اور ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ایسی کتب تحریر کیں۔ جو اہل علم کو ہدایہ وعالمگیری سے اوپر فقہ کے اصلی سرچشمے تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان کی تصنیف ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کو اگر تاریخ فقہ وعلم الحدیث کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بظاہر اس تصنیف کا موضوع مختلف مسلم فرقوں کے اختلافات کی حقیقت کا کھوج لگانا اور ان کے لیے صحیح راستہ دریافت کرنا ہے لیکن اس میں جس اختصار مگر جامعیت کے ساتھ عہد

سعادت سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک فقہ (یعنی تہذیب و معاشرت) اخلاق و تمدن اور ریاست و سیاست، غرضیکہ جملہ شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں اسلامی قوانین کی تدوین، احادیث کی فراہمی، کتب احادیث کی تدوین اور مختلف فقہی مذاہب مثلاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ کے آغاز کی نہایت منصفانہ اور معلومات افزاء تاریخ بیان کی ہے۔ [۳۰]

شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بھی ناقابل فراموش ہے کہ انہوں نے اسناد کے معیار پر پرکھ کر کتب حدیث کی درجہ بندی کی مثلاً آپ نے درجہ اول میں موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو رکھا۔ اس لیے کہ ناقدین حدیث نے ان کتب کی اسناد کو باتفاق رائے صحیح قرار دیا ہے اور انہیں فقہا نے سند کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ [۳۱]

شاہ صاحب نے دوسرے درجے پر جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کو رکھا ہے۔ حجت کے اعتبار سے یہ کتب اول کتب کے بہت قریب ہیں۔ شاہ صاحب نے درجہ سوم پر حدیث کی ان کتابوں کو رکھا ہے جن کی فروعات علمائے سلف نے روایت تو کیا ہے لیکن ان کی صحت کا کوئی التزام نہیں رکھا ہے۔ درجہ چہارم میں آپ نے ان احادیث کو رکھا ہے جن کے بارے متقدین کے ہاں کوئی مواد نہیں ملتا، لیکن متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے مثلاً کامل ابن عدی، مسند الخوارزمی وغیرہ۔ [۳۸]

شاہ صاحب کی اس درجہ بندی کی وجہ سے حدیث کے قالب میں ایک تازہ روح پیدا ہوگئی۔ محققین کے مابین ایک خط امتیاز کھنچ گیا اور غیر محققانہ طرز مطالعہ کا یکسر سد باب ہوگیا۔

اجتہاد

شاہ صاحب نے مسلمانوں کو ان کی فرقہ بندی کے اختلافات کے پیش نظر کتاب وسنت کی روشنی میں جو معتدل راستہ دکھایا وہ تعصب کے گرد وغبار کو ختم کرنے اور تقلید جامد اور فضول بحثوں کی مسموم گھٹی گھٹی فضا سے بچا کر

انہیں تحقیق واجتہاد کے صحت بخش ماحول میں لانے والا راستہ تھا۔

شاہ صاحب نے اپنی کتب میں صرف تحقیق واجتہاد کی باتیں ہی نہیں کیں بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول وقواعد اور اس کی شرائط بیان کی ہیں۔ ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' کے چار ابواب میں آپ نے اجتہاد کی قسموں، مجتہد کے اوصاف اور اجتہاد کی حدود وغیرہ پر بڑی مفید اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی دوسری تصانیف مثلاً انصاف، بدور بازغہ، مصفی، ازالہ، حجت وغیرہ میں اس موضوع پر کہیں مفصل اور کہیں مختصر گفتگو کی ہے۔ [۳۳]

تصوف

شاہ صاحب کا گھر تصوف کا گہوارہ تھا۔ آپ کے والد اپنے دور کے مانے ہوئے صوفی تھے۔ آپ نے انہی کی صحبت میں تصوف کی منازل طے کیں اور اشغال سیکھے۔ حضرت شیخ ابو طاہر مدنیؒ کی صحبت میں آنے سے بے پایاں فوائد ومعارف حاصل کیے۔ آپ تصوف کے تمام اصول ورموز سے آگاہ اور اس کے مختلف شعوب کے ظاہری و باطنی نشیب وفراز سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لیے آپ جاہل صوفیاء اور کرامت فروش پیروں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ کیونکہ لوگ حقیقتوں سے دور شعبدوں اور رسومات کو طریقت سمجھنے لگے تھے۔ [۳۴] شاہ صاحب اپنے وصیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> اس زمانے کے مشائخ کے ہاتھ میں جو قسم قسم کی بدعتوں میں مبتلا ہیں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے اور ان کی بیعت نہیں کرنی چاہیے اور نہ ان کی کرامات سے دھوکا کھانا چاہیے۔ [۳۵]

شاہ صاحبؒ نے علم تصوف پر کئی کتب تحریر کی ہیں۔ ''لمعات'' جس کا اردو ترجمہ ''نغمات'' ہے۔ رسالہ وحدت الوجود والشہود، القول الجمیل، تفہیمات الٰہیہ، انفاس العارفین وغیرہ اہم ہیں۔ ''حجۃ اللہ البالغہ'' شاہ صاحب کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے۔ مولانا شبلیؒ اس کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''حجۃ اللہ البالغہ'' جس میں انہوں نے شریعت کے حقائق واسرار بیان کیے ہیں دراصل علم کلام کی روح رواں ہے۔ علم الکلام درحقیقت اس کا نام ہے کہ مذہب اسلام کی نسبت ثابت کی جائے کہ منزل من اللہ ہے۔ مذہب دو چیزوں سے مرکب ہے، عقائد واحکام۔ شاہ صاحب کے زمانے تک جتنی کتب لکھی جا چکی تھیں صرف پہلے حصے (عقائد سے متعلق) تھیں۔ دوسرے حصے کو کسی نے بیان نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ [۳۶]

شاہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ ارکان اسلام نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ کی مصلحتیں بیان کی ہیں۔ کتاب کے پہلے حصے میں آپ نے ان تمام اصولوں اور قاعدوں کلیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو شریعتوں اور مذہبوں کی مصلحتوں کا انحصار ہے۔ دوسرے حصے میں ان قاعدوں اور اصولوں کی کسوٹی پر اسلام کے مختلف فروعی احکام کو پرکھا ہے۔ پہلے احادیث کیمطابق ان احکام کی توضیح کی ہے اور پھر ان کی مصلحتیں بیان کی ہیں۔ اسی دوسرے حصے میں ارکان اسلام اور طہارت وعبادت کے علاوہ مندرجہ ذیل موضوعات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ اسلام کا پورا نظام حیات مرتب ومدون شکل میں ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ [۳۷]

۱۔ ابواب احسان

۲۔ ابواب معاملات

۳۔ ابواب تربیت منزل

۴۔ ابواب سیاست مدن

۵۔ ابواب معیشت

۶۔ ابواب مختلف

اسلامی فلسفہ

شاہ ولی اللہ تاریخ اسلام کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے باقاعدہ فلسفہ اسلام کو مدون کرنے کی بنیاد رکھی

آپ سے پہلے جس فلسفے کو اسلام کے نام کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا وہ یونان وروم اور ایران وہندوستان کے فلسفوں کا ملغوبہ تھا۔ جن پر چند چھینٹے ہی اسلام کے پڑے تھے۔ بقول سید مودودیؒ:

> شاہ صاحب جو فلسفہ مدون کرتے ہیں اس کے ذریعے وہ کائنات اور کائنات میں انسان کا ایک ایسا تصور قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں جو اسلام کے نظام اخلاق اور تمدن کے ساتھ ہم آہنگ اور متحد المزاج ہوسکتا ہو یا دوسرے الفاظ میں جس کو اگر شجرۂ اسلام کی جڑ قرار دیا جائے تو جڑ میں اور اس درخت میں جو اس سے پھوٹا عقلاً کوئی فطری بہانیت محسوس نہ کی جاسکتی ہو۔۔۔۔ نظام اخلاق پر وہ ایک اجتماعی فلسفے (Social Philosophy) کی عمارت اٹھاتے ہیں۔ جن کے لیے انہوں نے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے اور اس سلسلہ میں تدبیر، منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محال (Taxation) انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ساتھ ہی ان اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے جن سے تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ [۳۸]

اصلاح معاشرت

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر سے قوم کی معاشرتی برائیاں اوجھل نہ تھیں۔ جس کا بہترین اظہار ''تفہیمات الٰہیہ'' کے ایک باب میں کیا ہے۔ [۳۹] آپ نے اپنے وصیت نامے میں سب سے پہلے عرب کی ان خرابیوں کا ذکر کیا ہے جن کی اصلاح رسولؐ نے فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ فاروق کے ان اقدامات کا ذکر کیا جو انہوں نے امت کو عجمی عیش و عشرت سے بچانے کے لیے کیے۔ پھر ان معاشرتی برائیوں کا ذکر کیا جو ہندوؤں کی وجہ سے مسلمانوں میں عود کر آئی ہیں مثلاً

۱۔ نکاح بیوگان کے بارے میں مسلم معاشرے کے رویے کی مذمت اور اس پابندی کو ختم کرنے پر زور دیا ہے۔

۲۔ خوشی وغم کے موقع پر اسراف، جس کی وجہ سے قوم مفلوک الحال ہو رہی ہے۔

یہی وہ خرابیاں ہیں جن کی اصلاح کے لیے مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید کو کوششیں کرنی پڑیں اور آج بھی مختلف صورتوں میں جن کی اصلاح قوم کے لیے از حد ضروری ہے۔ شاہ صاحب نے اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین کی کہ فرائض، کبیرہ گناہوں اور شعار اسلام کے بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں سختی کرنی چاہیے اور جو شخص اس سلسلے میں تساہل برتے اس کی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔ [۴۰]

عملی و نظری میدان میں شاہ ولی اللہ کے کارنامے

شیعہ سنی اختلافات کا حل

شاہ صاحب نے اس معاملے میں اعتدال پسندانہ طرز عمل اختیار کیا۔ آپ کے نتائج فکر دونوں طبقوں کے نقطہ نظر سے متعلق تاریخی مواد اور نبویؐ احکام کے مطالعے پر مبنی ہیں۔ دونوں مکتب فکر کے غالی انہیں پسند کریں یا نہ کریں لیکن اہل علم و اہل انصاف ان کو پسند کرتے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی شیعتؒ کے بارے میں شاہ صاحبؒ کی اصلاحی کوششوں پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں کہ:

> ہندوستان میں پہلے تورانی سنی، پھر ایرانی شیعہ اور آخر میں متشدد سنی روہیلوں کی شکل میں داخل ہوئے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے سنن و تشیع کے سلسلے میں بھی بڑا کام ہوا۔ بڑی محنت سے ہزارہا صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفاء کو واقعی حالات ازالہ الخفاء میں ایسے دل نشین طریقے سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اگر شعیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں کی شدت و تیزی میں بھی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علیؓ کے مناقب کو کیوں بیان کیا، یہاں شاہ ولی اللہ نے شعیوں کی تفصیر نہیں کی۔ فقہا حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا۔ ان پر شعیت کا فتوی

ظاہر کردیتے ہیں اور اس کے لیے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحبؒ نے ایسی راہ دریافت کی جس سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہو گیا۔ [۴۱]

اختلاف بین المذاہب

ہندوستان میں فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی طریقوں کے اختلاف کے مسئلے نے بہت پیچیدہ صورت اختیار کی۔لیکن ہندوستان سے باہر اسلامی ممالک میں اس پرسخت اختلافات رونما ہوئے۔شاہ صاحبؒ کی یہ دلی آرزو تھی کہ چاروں فقہی مسالک کے درمیان پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔آپ نے اس ضمن میں عمل تطبیق کے ذریعے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔''العقد الجید''میں رقم طراز ہیں کہ:

''چاروں مذاہب کی پیروی میں مصلحت عظیمہ مضمر ہے'' [۴۲]

شریعت وطریقت

صوفی اور فقیہ کا مسئلہ ہو یا صوفی اور ملا کا اختلاف انتہائی سنگین ہے۔اس کے اظہار کی شدت خواجہ معین الدین اجمیری کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی اور شہر دہلی کے قاضی میں اختلاف بلکہ جو مخالفت ہوئی وہ اب تک جاری ہے۔اگرچہ مرور ایام کے تصوف کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے لیکن پچھلی صدی تک کوئی مسلمان کسی صوفی سلسلے سے منسلک اور کسی صوفی کامل سے وابستہ ہوئے بغیر اسلام کی روحانی زندگی سے کوئی حصہ لینے کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔اسی غلط تصور نے فرقہ واریت، الجھنوں اور اختلافات کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کر دیا تھا۔

شاہ ولی اللہ کے دور میں شریعت وطریقت کو دو الگ الگ شعبے تصور کیا جاتا تھا۔شریعت کے نمائندے علماء وفقہاء تھے اور طریقت کے نمائندے صوفی حضرات تھے۔اس ثنویت یا دوئی کی وجہ سے دین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔جس وجہ سے حضورؐ کا پیش کردہ جامع نظام حیات سخت قسم کے بحران کا شکار تھا۔اس ثنویت کی وجہ یہ تھی کہ عام صوفیاء انسان کے بدن کے اندر ظاہری و باطنی قوتوں کی الگ الگ مانتے تھے۔اس لیے انہوں نے اسلامی تعلیمات

کے بھی دو حصے کر دیے۔ایک وہ جو انسان کے ظاہر کی اصلاح کرتا ہے۔اور دوسرا وہ جو انسان کے باطن کی تطہیر کرتا ہے اور ''اولذکر کو انہوں نے شریعت کہا اور ثانی الذکر کو طریقت کا نام دیا۔[۴۳]

شاہ صاحب نے اس مشکل کو لطیفۂ جوارح تجویز فرما کر حل کیا۔اس لطیفہ کو سمجھانے کے لیے انہوں نے ایک مثال پیش کی۔اس مثال سے لطیفہ جوارح کی حقیقت یوں واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے اعضائے رئیسہ یعنی دماغ، قلب اور جگر کے دو رخ ہیں۔ایک رخ لطیفہ جوارح کی طرف ہوتا ہے اور اسی کی اصلاح تکمیل شریعت کا مقصود ہے۔اور دوسرا رخ اپنے باطن کی طرف ہوتا ہے۔جو ان کا منبع اصلی ہوتا ہے۔ان لطائف کی تکمیل تصوف کے ذریعے ہوتی ہے۔[۴۴] الغرض شاہ صاحب کی ان تعبیرات کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس ثنویت یا دوئی کا خاتمہ ہو گیا جو دین میں اختلاف کا باعث تھی۔ان کا یہ کارنامہ قابل قدر کارناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔مناظر احسن گیلانی اس عظیم خدمت کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ:

> خدا جزائے خیر دے شاہ ولی اللہ کو، مختلف کتابوں میں مختلف پیراؤں سے آپ نے اسلام کے حقیقی تصوف اور اجنبی اجزاء کو جدا کر کے دکھایا ہے اور اس سلسلے میں آپ نے اتنا کام کیا ہے کہ جن جن چیزوں کا تصوف سے برائے نام تعلق تھا مثلاً جھاڑ پھونک، تعویذ وغیرہ اس کے متعلق بھی آپ نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔ ''القول الجمیل'' اور حزب البحر'' کی شرح وغیرہ اس سلسلے کی چیزیں ہیں۔اس طرز عمل کا بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جس طرح نمبر ایک کی کتابوں سے حنفی اور شافعی اختلافات کی شدت کم ہوتی ہے، ان کتابوں سے ملا اور صوفی کے جھگڑے بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے ختم ہو جاتے ہیں۔شاہ صاحب نے تصوف کے مسائل کو خالص اسلامی تعبیروں میں پیش کر کے مولویوں کی اس بھڑک کو مٹا دیا ہے جو صوفی اور صوفیت کے بارے میں پائی جاتی ہے۔[۴۵]

سید ابوالحسن علی ندوی، شاہ ولی اللہ کی خدمت اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

> حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصیتوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا، یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے اور اس کی حفاظت دین کے ہزار طریقے ہیں، لیکن بظاہر

تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا، جتنا ہندو مذہب۔ یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے عظیم پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔ [۴۶]

شاہ صاحب کا علمی کمال یہ ہے کہ وہ ارباب علم کے مختلف اقوال کو جمع کر کے ان میں تطبیق دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے توحید میں وحدت الوجود کا تصور پیش کیا تھا اور اس کے خلاف امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے وحدت الشہود کی دعوت دی تھی۔ لیکن شاہ ولی اللہؒ نے شیخ اکبر اور امام ربانی دونوں کے ان تصورات توحید میں بظاہر جو تضاد نظر آیا، اس کو رفع کیا اور دونوں کو اصلاً ایک ثابت کیا۔ شاہ صاحب نے ''مکتوبات مدنی'' میں اس مسئلے کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔ وہ اُمہ فقہاء میں سے حنفی اور شافعی دونوں کو ایک ہی درجہ پر مانتے ہیں اور دونوں کے اختلافات کو اسی اصول پر حل کرتے ہیں، بقول سید ابوالاعلی مودودیؒ:

انہوں نے (شاہ ولی اللہ) اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے بازی لے گئے ہیں۔ اگر چہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے اُمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے تھے اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔ [۴۷]

ڈاکٹر ایس ایم اکرام، شاہ ولی اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

ہم شاہ صاحب کو محض اپنی کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے ورنہ جہاں تک علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ نظر، سلیم الخیال اور اشاعت کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان ملی و مذہبی خدمات کا تعلق ہے دنیائے اسلام میں بہت ہی کم بزرگ ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہیں۔ آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام غرضیکہ علوم اسلامی کی کوئی شاخ ایسی نہیں جسے آپ نے

سیراب نہ کیا ہو اور اللہ کا فضل ایسا شامل حال تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے کندن ہو جاتی۔ [۴۸]

حوالہ جات

۱۔ شیخ بشیر احمد لدھیانوی، *ارتفاقات معاشیہ*، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۰؛ مولانا عبدالرحیم *خیر الکثیر*، اردو مقدمہ، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۔

۲۔ شاہ ولی اللہ، مترجم محمد سرور، *فیوض الحرمین*، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۵۱۔۵۳؛ پروفیسر رشید احمد، *مسلمانوں کے سیاسی افکار*، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۴۰۔۲۱۰۔

۳۔ مولانا محمد مسعود قاسمی، *شاہ ولی اللہ اور ان کی قرآنی فکر کا مطالعہ*، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۲۔۴۹۔

۴۔ ابوالحسن ندوی، *تاریخ دعوت وعزیمت*، جلد پنجم، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۳۹۷۔

۵۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، *انفاس العارفین*، مترجم محمد فاروق القادری، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۱۲۔۲۱۱۔

۶۔ Dr. B.S Nijjar, *Punjab Under the Later Mughals*, Lahore, 1972, p.36;
محمد مستعد خان ساقی، *مآثر عالمگیری*، لاہور (س ن)، ص ۵۳۔۵۲۔

۷۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی، مترجم ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی، *مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال*، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۴۸۔۵۴۷؛ اشتیاق حسین قریشی، مترجم ہلال احمد زبیری، *برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ*، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۔۳۲۲۔

۸۔ Hari Ram Gupta, *Later Mughal History of the Punjab*, 1707-1793. Lahore, 1976, p. 14-33; خافی خان، *منتخب اللباب*، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۔۲۰۹۔

۹۔ مناظر احسن گیلانی، *تذکرہ شاہ ولی اللہ*، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۵۔۱۰۲۔

۱۰۔ جواہر لال نہرو، *تلاش حق*، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۶۳؛ Syad Mohammad Latif, *History of The Punjab*, Lahore, 1979, p. 349-80.

۱۱۔ Hari Ram Gupta, Op-Cit, p. 53-54; نریندر کرشن سنہا، مترجم کیلاش چند چودھری، *مہاراجہ رنجیت سنگھ*، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۵۶۔۳۰۔

۱۲۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی، حوالہ سابقہ، ص ۸۷۔۳۸۲۔

۱۳۔ قاضی جاوید، *افکار شاہ ولی اللہ*، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۵۵۰۔

۱۴۔ مولانا شبلی نعمانی، *علم الکلام*، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۸۷؛ محمد احسان الحق، *حضرت شاہ ولی اللہ*، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۷۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔۱۷۰۔

۱۶۔ مولانا عبید اللہ سندھی، *شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک*، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۸۱۔۷۶؛ سید محمد لطیف، *تاریخ پنجاب*، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۹۰۔۸۸؛ کنھیالال، *تاریخ پنجاب*، لاہور (س ن)، ص ۸۹۔۳۸۷۔

۱۷۔ سید محمد متین ہاشمی، سطعات، (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۱۹؛ محمد سرور، *فیوض الحرمین*، (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۶۷۔

۱۸۔ القرآن، ۶:۶۲۔

۱۹۔ مناظر احسن گیلانی، حوالہ سابقہ، ص ۲۷۴۔

۲۰۔ ابوالحسن علی ندوی، *شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف*، *الفرقان*، شاہ ولی اللہ نمبر، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۳۶۶۔

۲۱۔ ایضاً، *تاریخ دعوت وعزیمت*، جلد پنجم، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۴۱۵۔۳۹۸۔

۲۲۔ محمد احسان الحق، حوالہ سابقہ، ص ۱۷۰۔۱۵۷۔

ii۔ شاہ ولی اللہ، *التفہیمات الٰہیہ*، جلد دوم، ص ۴۵۔

۲۳۔ محمد احسان الحق، حوالہ سابقہ، ص ۱۸۱۔۱۸۰۔

۲۴۔ سید محمد متین ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۔۱۱؛ عبید اللہ قدسی، *آزادی کی تحریکیں*، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸۲۔۶۳۔

۲۵۔ ایس۔ ایم۔ اکرام، *رود کوثر*، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۶۔۵۱۔

۲۶۔ القرآن، ۴۷:۲۲۔

۲۷۔ ایضاً، ۵۴:۱۶۔

۲۸۔ مولانا محمد مسعود قاسمی، *شاہ ولی اللہ اور ان کی قرآنی فکر کا مطالعہ*، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۱۔۱۰۳۔

۲۹۔ محمد احسان الحق، حوالہ سابقہ، ص ۱۸۹۔

ii۔ ابوالحسن علی ندوی، حوالہ سابقہ، ص ۱۷۲۔۱۶۹۔

۳۰۔ مولانا عبید اللہ سندھی، *شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ*، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۸۔۳۷۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔۱۰۶۔

۳۲۔ ایضاً۔

۳۳۔ ابوالحسن علی ندوی، حوالہ سابقہ، ص ۷۸۔۱۷۷۔

۳۴۔ شاہ ولی اللہ *تصوف کے آداب واشغال*، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۴۔۳۰۔

۳۵۔ شاہ ولی اللہ، حوالہ سابقہ، ص ۲۰۲۔

۳۶۔ ایم۔ ایم۔ اکرام ہرودکوثر، ص ۵۶۷؛ شاہ ولی اللہ *تصوف کے آداب واشغال*، حوالہ سابقہ، ص ۷۸۔۷۶۔

۳۷۔ مولانا محمد مسعود قاسمی، حوالہ سابقہ، ص ۷۱۔۱۶۹۔

۳۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی *تجدید واحیائے دین*، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۲۔۱۱۱۔

۳۹۔ شاہ ولی اللہ حوالہ سابقہ، ص ۱۴۳۔۱۱۱۔

۴۰۔ شاہ ولی اللہ، *حجۃ اللہ البالغہ*، کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ۳۹۵؛ محمد سرور *ارمغان شاہ ولی اللہ*، کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۵۱۰۔

۴۱۔ مناظر احسن گیلانی *تذکرہ شاہ ولی اللہ*، بحوالہ "رودکوثر"، ص ۵۷۹۔

۴۲۔ شاہ ولی اللہ حوالہ سابقہ، جلد دوم، ص ۲۰۵۔

۴۳۔ سید محمد متین ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۲۳۔۲۲۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۴۳۔۴۱؛ مولانا عبید اللہ سندھی، حوالہ سابقہ، ص ۹۱۔۱۸۹۔

۴۵۔ مناظر احسن گیلانی، حوالہ سابقہ، ص ۲۵۹۔

۴۶۔ سید ابوالحسن ندوی، *سیرت محمدؐ*، جلد اول، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۳۶۔

۴۷۔ ایس۔ ایم۔ اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۸۲۔۵۸۱۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۵۹۷؛ محمد احسان الحق حوالہ سابقہ، ص ۱۷۷۔